REGD. No. D | 173 399

۲۲ مئی

ہفتہ وار

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو ہند (دہلی)

دلی دروازہ ہے، مغلیہ سلطنت کی یادگار کے طور پر کھڑا یہ دروازہ ہمیں نہ جانے کتنے بھولے ہوئے واقعات کی یاد دلاتا ہے۔ انھیں دو دروازوں کے بیچ میں بہادر شاہ ظفر مارگ ہے۔ یہی سڑک ہے جو پرانی دلی کو نئی دلی سے ملاتی ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی سڑک ہے۔ اس کے ایک کنارے پر دلی دروازہ ہے تو دوسرے کنارے پر [illegible] کے قریب سے ایک سڑک نکلتی ہے جو بہادر شاہ ظفر مارگ کو منٹو روڈ سے ملا دیتی ہے۔ اس سڑک کا نام ہے راؤز ایونیو۔ اسی سڑک پر انجمن ترقی اردو (ہند) کی عظیم الشان نئی عمارت زیر تعمیر ہے۔

سلیم احمد

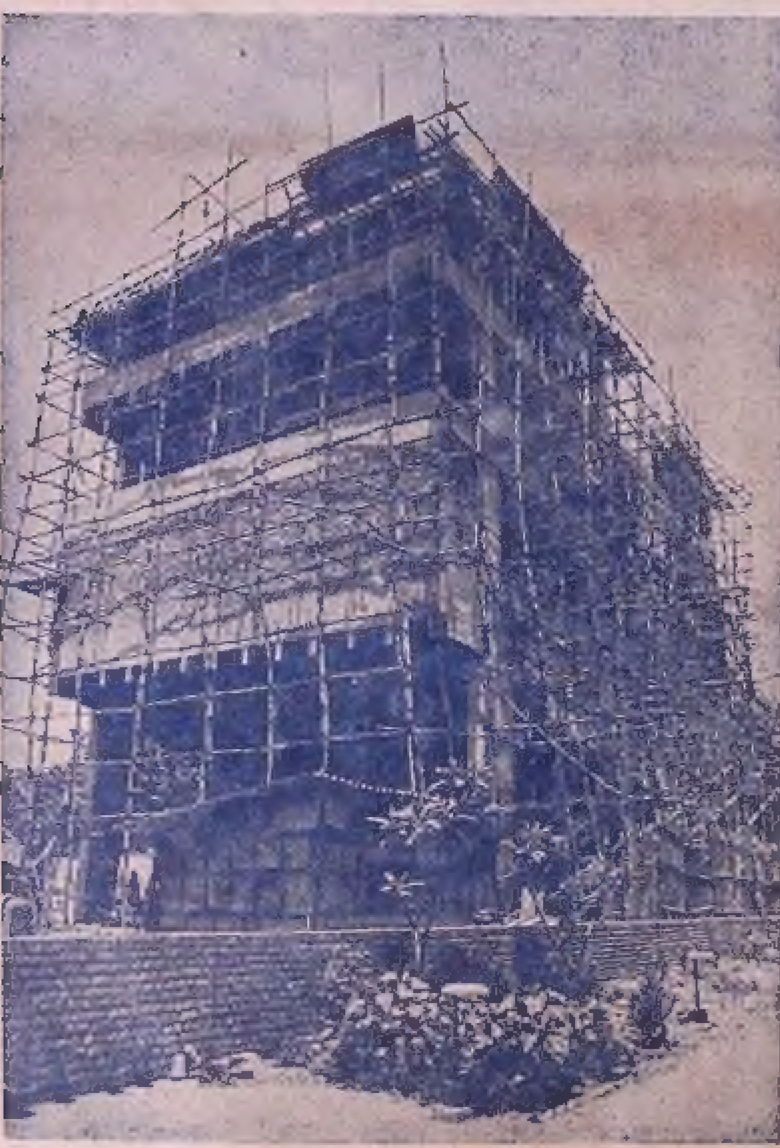
اردو گھر —— ہمارے خواب کی تعبیر

انجمن ترقی اردو کی اس عمارت کو "اردو گھر" کا خوب صورت، بامعنی اور جامع نام دیا گیا ہے۔ وہ ہم جو کانوں میں مصری و شیرینی کی مٹھاس گھول دیتا ہے۔ اردو گھر جو انجمن کی سیاسی، علمی و ادبی سرگرمیوں کا مرکز ہوگا۔ اس خوش نما عمارت کو دیکھ کر دیا محسوس ہوتا ہے جیسے اردو کے شیدائیوں کا دیرینہ خواب راؤز ایونیو پر شرمندۂ تعبیر ہو رہا ہے۔ چند سال پیشتر شریمتی اندرا گاندھی نے اس تاریخی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ یہ ایک نہایت شاندار اور دلکش تقریب تھی جس میں اردو ادب کی بے شمار ممتاز شخصیتیں موجود تھیں۔ اس موقع پر خواجہ غلام السیدین مرحوم نے بھی نہایت مرصع اور پراثر تقریر کی تھی۔

اردو گھر ایک ایسی جگہ تعمیر ہو رہا ہے جسے ہر طرح سے مرکزیت حاصل ہے۔ اس کے ایک طرف لال قلعہ اور جامع مسجد ہیں تو دوسری طرف نئی دلی کا سب سے خوب صورت بازار کناٹ پلیس۔ یہاں سے چاندنی چوک اور ریلوے اسٹیشن بھی زیادہ دور نہیں ہیں۔ اس کے دامن میں بہادر شاہ ظفر مارگ ہے، جس پر انڈین ایکسپریس، ٹائمز آف انڈیا، پیٹریاٹ، نیشنل ہیرالڈ، پرتاپ، ملاپ اور تیج جیسے اخبارات کی دلکش عمارتیں ہیں۔ یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کا دفتر بھی یہیں ہے اور اسی کے کنارے وہ تاریخی مسجد ہے جس کو مسجد عبدالنبی کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور دوسری بے شمار سرکاری عمارتیں اس خوب صورت شاہراہ پر واقع ہیں۔ "اردو گھر" سے چند قدم کے فاصلے پر ایوان غالب، اجے بھون (کمیونسٹ پارٹی کا مرکزی دفتر) اور گاندھی پیس فاؤنڈیشن جیسے اہم ادارے ہیں اور اردو گھر سے ملحقہ مولانا ابوالکلام آزاد میڈیکل کالج اور ارون اسپتال کی دور تک پھیلی ہوئی عمارتیں ہیں۔ اردو گھر کو دیکھ کر یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ انجمن کے نئے دفاتر کے لیے اس سے بڑھ کر موزوں اور اہم جگہ پورے ہندوستان میں کوئی اور جگہ نہیں ہو سکتی تھی، یہ جگہ پرانی دلی سے بھی قریب ہے اور نئی دلی کے ایک خوب صورت اور خوش نما علاقے میں بھی۔

اردو گھر ایک پانچ منزلہ عمارت ہے۔ ایک منزل پر انجمن کی بیش بہا لائبریری منتقل ہوگی۔ اس لائبریری میں بیس پچیس ہزار مطبوعہ کتابیں، ڈیڑھ ہزار سے زیادہ انتہائی قیمتی اردو، فارسی اور عربی کے مخطوطات ہیں۔ اردو میں سو سے اوپر ایسے مخطوطات ہیں جن کا دنیا میں صرف ایک نسخہ ہے۔

اس میں ایک شاندار آڈیٹوریم بھی ہوگا جس میں ۳۵۰ افراد کے بیٹھنے کا انتظام ہوگا۔ یہ عمارت جدید ترین ساز و سامان سے آراستہ ہوگی۔ اس کے تمام کمرے ایرکنڈیشنڈ ہوں گے۔ اردو گھر کے لیے کیمرہ اور مائکروفلم اور ریڈیو جیسے سامان بھی



خریدنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

اس عمارت پر تیرہ چودہ لاکھ روپیہ خرچ آئے گا۔ ابھی تک چھ لاکھ روپیہ خرچ ہو چکا ہے۔ اس میں چار لاکھ روپیہ حکومت نے دیا ہے۔ تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ ۱۹۷۴ء سے پہلے جمع کیا گیا تھا باقی اہل اردو کا عطیہ تھا۔ ابھی فنڈ کی دشواری ہے اور پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے تعمیر کا کام رکا ہوا ہے لیکن پھر بھی انجمن کے جنرل سکریٹری کا یقین ہے کہ اگر اہل اردو ذرا بھی اس طرف توجہ کریں تو یہ عمارت چھ ماہ میں مکمل ہو سکتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انجمن ترقی اردو نے اردو زبان و ادب کی بقا اور ترویج و ترقی میں بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔ ۱۹۰۳ء میں انجمن کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اس کے پہلے سکریٹری مولانا شبلی نعمانی تھے۔ اس کے بعد مولوی عبدالحق سکریٹری ہوئے اور اس کے بعد قاضی عبدالغفار اور پھر آل احمد سرور اس کے سکریٹری بنے۔ مولوی عبدالحق کے دور میں انجمن کا دائرہ کار علمی و ادبی کاموں تک محدود تھا لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد جب اردو کو نئی سیاسی صورت حال سے دوچار ہونا پڑا۔ انجمن کے لائحہ عمل اور پالیسی میں بھی تبدیلی ضروری تھی۔ اب تک محض زبان و ادب کی خدمت اور ترقی کا سوال تھا۔ اب ترقی و خدمت کے ساتھ ساتھ بقا کا بھی مسئلہ آ کھڑا ہوا۔ آج انجمن کے کندھوں پر دوہری ذمہ داری ہے۔ اس کو اپنا تاریخی رول بھی نبھانا ہے اور اس کی سرزمین میں اردو زبان کو اس کا جائز مقام بھی دلوانا ہے۔ صرف یہ کافی نہیں کہ دلی میں ایک اردو گھر تعمیر ہو جائے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اردو کا اپنا ایک "گھر" ہو۔ یہ ایک بے گھر زبان ہے۔ ہندوستان کی سرزمین میں اردو کو مناسب گھر دلوانا بھی انجمن کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ انجمن اس فرض اور ذمہ داری کو کہاں تک پورا کرتی ہے۔ یہ تو وقت ہی بتلائے گا لیکن اس قدر ضرور کہا جا سکتا ہے کہ انجمن کی تاریخ میں حالیہ دو واقعات ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔۔۔ انجمن کا علی گڑھ سے دلی منتقل ہونا اور اس کے نئے سکریٹری کا تقرر۔

اردو گھر انجمن کے کاموں کو مرکزیت عطا کرے گا۔ اگر اردو کی جماعتیں، ان کی زندگی میں قوت اور جگہ اہم رول ادا کرتے ہیں۔ دلی ہندوستان کا دل ہے یہاں سے بلند ہونے والی آواز ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچتی ہے۔ راجدھانی ہونے کی وجہ سے یہ عوامی اور سرکاری دونوں قسم کی سرگرمیوں کا مرکز ہے۔ یہاں سے ملک کے دوسرے حصوں سے رابطہ رکھنا زیادہ آسان ہے اور انجمن اپنی آواز کو زیادہ لوگوں تک پہنچا سکتی ہے۔

انجمن کے صدر اور جنرل سکریٹری بحال اور با صلاحیت انسان ہیں۔ اگر اردو والوں نے "اردو گھر" کے سلسلے میں ان کی مدد کی تو وہ وقت دور نہیں جب ہندوستان کی سرزمین میں اردو کو اپنا گھر نصیب ہو جائے گا۔

مہاراشٹر کے ریاستی بورڈ برائے ادب و ثقافت کی ادبی سرگرمیاں

ریاستی بورڈ برائے ادب و ثقافت نے اپنے آغاز ہی سے مراٹھی میں ریسرچ اور تصنیف و تالیف کی حوصلہ افزائی کے اہم مقصد کے تحت ایک متنوع پروگرام شروع کیا تاکہ وہ بیش قیمت ورثہ محفوظ رہ سکے اور اس میں اضافہ ہو جو مہاراشٹر ادب، تاریخ، ثقافت اور فنون لطیفہ کے میدان میں رکھتا ہے۔ گو اپنے فرائض منصبی کے لحاظ سے ریاستی بورڈ کی ادبی سرگرمیاں مراٹھی زبان و ادب کی ترقی و توسیع تک محدود ہیں تاہم اس نے اپنی متعدد ادبی اسکیمات کے ذریعہ جہاں تک ممکن ہے یہ بھی کوشش کی کہ دیگر زبانوں خصوصاً اردو، فارسی اور عربی وغیرہ کے متعلقہ ادب سے بھی اپنا رشتہ قائم رکھے۔ ریاستی بورڈ نے اب تک جو کام کیا ہے۔ اس پر اس مضمون میں مختصر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۔ انتر بھارتی۔ وشو بھارتی:

اس سلسلے کا مقصد یہ ہے کہ مراٹھی قاری کو دو حرفی دو لسانی لغات (مثلاً "اردو مراٹھی" اور "مراٹھی اردو") کتب مطالعہ (ریڈرس) (مثلاً اردو ساہتیہ پریچے) اور معلم (ٹیچرس) (مثلاً اردو بھاشا پرویش) کی شکل میں میسر کی جائیں جو مراٹھی بولنے والوں اور دیگر ہندوستانی اور بعض ممتاز غیر ملکی زبانوں کے مطالعے کے لیے معقول قیمت پر ذریعہ حاصل ہوں اور اسے مراٹھی کے علاوہ ان زبانوں کے مطالعے میں سہولت ہو۔

اس اسکیم کے تحت بورڈ نے "اردو مراٹھی شبد کوش" شائع کی ہے جسے شری شری۔ جوشی، پونا اور ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ تحریر کلیان نے مرتب کیا ہے (صفحات ۴۰۲، قیمت ۱۰/۱۶ روپیے)

"اردو بھاشا پرویش" لکھنے کا کام بورڈ کی جانب سے ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ تحریر کلیان کو سونپا گیا ہے۔ نیز "اردو ساہتیہ پریچے" "اردو مراٹھی۔ اردو شبد کوش" مرتب کرنے کا کام اسکالروں کو دیا جانا باقی ہے۔

عربی۔ مراٹھی لغت عربی معلم اور ریڈرس مرتب کرنے کا کام بھی مناسب اسکالروں کو دینا ہے۔ پروفیسر اے۔ بی۔ دادرکر کو اس کام کے لیے آمادہ کر لیا گیا ہے۔ مزید برآں بورڈ فارسی زبان میں اسی قسم کی کتابوں کی تیاری کے لیے موزوں فارسی عالم کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش میں ہے۔

۲۔ تاریخی تحریروں کا ترجمہ اور اشاعت:

مراٹھا تاریخ سے متعلق بنگالی، پرتگیزی، انگریزی، اردو، فارسی اور راجستھانی زبانوں میں تاریخی تحریروں (ریکارڈز) کے ترجمہ اور اشاعت کی اسکیم کے تحت ریاستی بورڈ قابل قدر کتب مسلسل شائع کر رہا ہے جن میں مراٹھوں اور مہاراشٹر کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس اسکیم کے تحت ریاستی بورڈ نے اب تک حسب ذیل کام کیا ہے۔

۱۔ مہاراشٹر کی تاریخ سے متعلق نیشنل لائبریری کلکتہ سے حاصل کردہ بھاگی سر جادو ناتھ سرکار کے فارسی مسودات (۳۰ جلدیں) کی عکسی نقول کی تیاری۔

یہ کتابیں حوالے کے مقصد سے تاریخ کے عالموں کو دستیاب کی جا رہی ہیں۔ بورڈ کے سابق سکریٹری مسٹر سیتو مادھو راؤ بورڈ کی جانب سے ان کا ابتدائی جائزہ لے رہے ہیں۔

۲۔ بیکانیر اور جے پور آرکائیوز کی فارسی اور راجستھانی تحریروں کی انگریزی اشاعت جس میں مہاراشٹر کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ "دربار افنگ زیب کے خبر نامے" مرتبہ پروفیسر جی۔ ایچ۔ کھرے۔ "پونا" جو بھارت اتہاس سنشودھک منڈل، پونا کی شائع کردہ "ہندوستانی تاریخ کا فارسی ماخذ" سلسلہ کتب میں بھی چھپ چکی ہے۔

۳۔ فرشتہ کی تصنیف "گلشن ابراہیمی" دکن اور وسطی ہند کے مہاراشٹر کی تاریخ کا جو مراٹھی ترجمہ بورڈ کی جانب سے ڈاکٹر جی۔ جی۔ کٹے نے کیا ہے وہ اب زیر طبع ہے۔

(قومی راج)

اردو اداروں سے درخواست

براہ کرم کانفرنسوں اور جلسوں کی روداد میں اختصار سے کام لیں۔

(ادارہ)

اداریہ

دہلی سے ہماری زبان کا پہلا شمارہ آپ کے پیش نظر ہے۔ یہ مواد اور ہیئت دونوں اعتبار سے اپنی گذشتہ روایات سے کچھ مختلف ہے۔ اس میں تبدیلیاں کرتے ہوئے ذہن میں یہ رہا ہے کہ اسے ہندوستان میں اردو تحریک کا علمبردار ہونا چاہئے۔ اس کا سب سے بڑا مقصد تو یہ ہے کہ ہندوستان میں اردو کو اس کا جائز مقام دلوایا جائے اور اس کے چلن کو پھر سے عام کیا جائے۔ اگر ملک کے کسی علاقے میں اردو کے ساتھ بے انصافی ہو رہی ہے۔ تو اس کے خلاف نہ صرف آواز بلند کی جائے بلکہ اس بے انصافی کو دور کرانے کے لئے پوری پوری جدوجہد کی جائے۔ یہاں اگر کچھ صوبائی حکومتیں اردو کے لئے وہ سہولیات فراہم کریں جن کی وہ مستحق ہے تو کھلے دل سے ان کا استقبال بھی کیا جائے گا۔

ادبی سطح پر ہماری زبان تحقیقی اور تنقیدی مقالے شایع کرے گا اور ہندوستان اور ہندوستان سے باہر اردو اور دوسری زبانوں میں ہونے والی سرگرمیوں سے آپ کو آگاہ کرتا رہے گا۔

پچھلے دنوں ہماری زبان میں کتابوں پر تبصرے کچھ کم تعداد میں شایع ہوتے رہے ہیں۔ اس میں ادارے کا کم اور تبصرہ نگار حضرات کا قصور زیادہ ہے۔ آج بھی تبصرے کے لئے آئی ہوئی تقریباً دو سو کتابیں تبصرہ نگار حضرات کی الماریوں کی زینت ہیں۔ اب ہم پوری کوشش کریں گے کہ ہر آنے والی کتاب پر زیادہ سے زیادہ ایک مہینے میں تبصرہ ہو جائے۔

اردو دنیا کے تحت انجمن ترقی اردو کی شاخوں، دوسرے اداروں اور دانشکدوں کی ادبی خبریں شایع کی جا رہی ہیں۔ اس سلسلے میں ہم اپنے کرم فرماؤں سے گذارش کرتے ہیں کہ خبروں میں انتہائی اختصار سے کام لیں۔ بعض دوست کئی کئی صفحے کی خبریں ارسال فرماتے ہیں۔ اس سے دو نقصان ہیں، ایک طرف تو ادارے کو ان کو خبر دوبارہ مختصر لکھنی پڑتی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ کریں تو بہت سے اداروں کی خبریں شایع ہونے سے رہ جاتی ہیں۔ جب ادارہ ارسال کی ہوئی خبروں میں قطع برید کرتا ہے تو انتہائی ناراضگی کے خطوط آتے ہیں۔ اور اگر جوں کی توں خبر شایع کر دیں تو ان حضرات کے غیظ و غضب کے شکار ہوتے ہیں جن کی خبریں شایع ہونے سے رہ جاتی ہیں۔ ہماری زبان کے صفحات بہت محدود ہیں۔ اگرچہ اب ہماری کوشش ہے کہ ان محدود صفحات میں اپنے پڑھنے والوں کو زیادہ سے زیادہ مواد فراہم کریں۔ مگر پھر بھی ہمیں اپنی تنگ دامانی کا احساس ہے۔

مقالہ نگار حضرات سے بھی ہماری یہی درخواست ہے کہ وہ مختصر مقالے ارسال فرمائیں۔ ہم نے ادبی مقالوں کے لئے صرف ایک صفحہ مخصوص کیا ہے۔

"دانشکدے" کے تحت ہم یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ہونے والی تعلیمی اور ادبی سرگرمیوں کی خبریں دینا چاہتے ہیں۔ اس دفعہ اس سلسلے میں صرف ایک دو ہی خبریں موصول ہوئیں۔ اساتذہ حضرات سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اس طرف متوجہ ہوں۔ ان کے یہاں جن موضوعات پر تحقیق ہو رہی ہے اس کے بارے میں ہمیں ضرور لکھیں تاکہ تمام اہل اردو بھی اس سے واقف ہو سکیں۔

آخری گذارش یہ ہے کہ ہماری زبان کے اس شمارے کے بارے میں اپنی رائے سے ہمیں ضرور مطلع فرمائیے تاکہ اس کی روشنی میں اسے خوب تر بنایا جا سکے۔

خبروں پر تبصرے

گوا میں اردو

کسی بھی صوبے یا علاقے میں اردو کی تعلیمی اور ادبی سرگرمیوں کے لئے ہرگز ضروری نہیں کہ وہاں اردو بولنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہو اور حکومت ان کی سرپرستی کرے۔ اس کا بہترین ثبوت گوا ہے۔

۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق گوا، دمن اور دیو میں اردو بولنے والوں کی تعداد صرف ۱۹۲۵ ہے۔ اس کے باوجود ۷۲-۱۹۷۱ء کے اعداد و شمار کے مطابق وہاں پانچ اردو پرائمری اسکول، ستره اردو پرائمری سیکشن، ۲۰ اردو سیکنڈری اسکول اور ایک اردو سیکشن ہے۔ اردو پرائمری اور سیکنڈری اسکولوں میں ۱۸۷۸ طلبہ اور ۶۰ اساتذہ ہیں۔ گوا میں اردو والوں کی مجموعی تعداد کے پیش نظر یہ اعداد و شمار بہت حوصلہ افزا ہیں۔

عام خیال یہ ہے کہ گوا اردو کے لئے بنجر زمین ہے لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ وہاں نہ صرف اردو کی تعلیمی سہولیات موجود ہیں بلکہ ادبی سرگرمیاں بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ وہاں عام طور سے مشاعرے اور ادبی نشستیں منعقد ہوتی رہتی ہیں۔

پچھلے دنوں وہاں انجمن ترقی اردو کی ایک شاخ قائم ہوئی ہے جس کی روداد اسی شمارے میں شایع کی جا رہی ہے۔ اس شاخ کے صدر [illegible] اشرف اور ان کے ساتھی اردو کے بڑے سرگرم خادم ہیں۔ وہ نہ صرف گوا میں اردو کی خدمت کر رہے ہیں بلکہ انھوں نے ہماری زبان کے خریدار بنانے اور "اردو گھر" کے لئے فنڈ جمع کرنے کے لئے بھی ہم سے وعدہ کر لیا ہے۔

ہماری تمنا ہے کہ انجمن کی دوسری شاخیں بھی ان کے نقش قدم پر چلیں۔ حکومت سے اپنے حقوق کا مطالبہ اسی وقت مفید ہو سکتا ہے جب ہم خود بھی اپنی زبان کے لئے ہر طرح کی قربانی اور ایثار کے لئے تیار رہیں۔

(ادارہ)

دہلی میں اردو تعلیم کے مسائل

ہماری زبان کے اسی شمارے میں ایک خبر شایع ہوئی ہے کہ دہلی کے ایک اردو مڈل اسکول کو ہائر سکنڈری بنا دیا گیا ہے۔ دہلی انتظامیہ اس کے لئے قابل مبارکباد ہے کیونکہ اس اقدام سے بے شمار شکایتوں میں سے ایک دور ہوئی۔ دہلی انتظامیہ کے ذمہ داران کی توجہ کے لئے ہم چند گذارشات پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ مثلاً عام شکایت یہ ہے کہ اردو

ہائر سکنڈری اسکولوں کی تعداد بہت کم ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ دلی میں ڈگری کالج تو ہیں لیکن ہائر سکنڈری اسکول میں اور یہ سب پرائیویٹ اداروں کے تحت چلتے ہیں۔ انتظامیہ نے خود کبھی اردو والوں کے لئے ہائر سکنڈری اسکول کھولنے کی کوشش نہیں کی، جبکہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اسکولوں کی ضرورت بھی ہر سال بڑھتی جا رہی ہے۔

کوئی بھی سرکاری ہائر سکنڈری اسکول ایسا نہیں ہے جس کا پرنسپل اردو جاننے والا ہو۔ برسوں سے انتظامیہ کی توجہ اس طرف دلائی جا رہی ہے اور ہمیشہ یہ جواب ملتا رہا ہے کہ بعض قانونی پیچیدگیوں کے باعث ایسا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ قانون شہریوں کو سہولیات فراہم کرنے کے لئے ہوتا ہے مصیبت میں ڈالنے کے لئے نہیں، اگر انتظامیہ سنجیدگی سے اس مسئلے میں دلچسپی لے تو قانون بدلنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ سب سے بڑی شکایت اردو والوں کو یہ ہے کہ تمام سرکاری اردو ہائر سکنڈری اسکولوں میں کوئی چالیس فیصدی اساتذہ غیر اردو داں ہیں۔ کورس کی کتابیں اردو میں ہی ہوتی ہیں۔ لیکن اساتذہ اردو سے ناواقف ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اساتذہ اور طلبہ ایک دوسرے کی بات پوری طرح سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس کے برعکس اردو داں اساتذہ کی بہت بڑی تعداد بے روزگار ہے۔ یہاں بھی کچھ قانونی دشواریوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جنہیں ترمیم کروانے کے لئے صاف کیا جائے اگر ہم کہیں کہ یہ محکمہ تعلیم کی محض اردو دشمنی ہے، ورنہ یہ مسئلہ دس منٹ میں حل ہو سکتا ہے۔

کچھ برس پہلے تو اردو کی تقریباً تمام نصابی کتابیں مفقود تھیں۔ اب میر مشتاق احمد صاحب کی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے یہ مسئلہ کافی حد تک حل ہو گیا ہے۔ لیکن نویں، دسویں اور گیارھویں کے لئے سائنس کی کتابوں کی طرف ابھی تک کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ ہائر سکنڈری کے لئے اردو کی بعض نصابی کتابیں ترقی اردو بورڈ نے شائع کی ہیں۔ ہم اس مسئلے کی طرف بھی بورڈ کی توجہ مبذول کراتے ہیں۔

لے میں تشنہ ہے کتنوں کو جہاں جام ملے
کہیں نہ حال تشنگی، کہیں تو کم سے کم کہیں
(رحیم کرمانی)

افکار و مسائل

مراسلے

میر انیس کا ایک مصرع

ہماری زبان ۸ مئی ۱۹۷۸ء کے مضمون "پانی یا سایہ" کے عنوان سے انیس کے ایک مصرعے سے متعلق پوچھا گیا ہے۔ گزارش ہے کہ ٹھیک مصرع یوں ہے:

پانی کنوؤں میں اترا تھا سایے کی چاہ میں

گرمی کی شدت کا بیان ہو رہا ہے۔ موسم گرما میں بالعموم پانی کنوؤں میں اتر جاتا ہے۔ شاعر اس کی توجیہہ کرتا ہے کہ گرمی کی تاب نہ لا کر پانی سایے کی تلاش میں سرگرداں تھا جب اسے سطح زمین پر کہیں عافیت کی صورت نظر نہ آئی تو اب وہ اس کی کھوج میں زیر زمین کنوؤں میں اتر گیا ہے۔ یاد رہے کہ پانی گرمی کو زائل کرنے والا ہے جب خود پانی سایے کی تلاش میں یوں بوکھلایا ہوا پھرنے لگا تو اس سے اندازہ لگایئے کہ گرمی کس بلا کی ہوگی۔

یہاں چاہ بمعنی کنواں نہیں بلکہ یہ "چاہنا" مصدر سے حاصل مصدر ہے، بمعنی خواہش، تلاش وغیرہ۔

یہ صرف مصرعے کے لفظی معنی ہیں۔ زبان و بیان کی جو خوبیاں مصرعے میں ہیں وہ الگ میدان ہے۔

(مالک رام دہلی)

اردو ٹائپ رائٹر ایک تجویز

۸ مئی کے "ہماری زبان" میں اردو ٹائپ رائٹر کی تجویز بہت معقول ہے۔ لیکن شاید آپ کو یہ دھیان نہیں رہا کہ ریاست حیدرآباد کی فرمائش پر ریمنگٹن کمپنی نے ۱۹۳۰ء میں جو ماڈل تیار کیا تھا اور جس کا نمونہ یہی خط ہے اس کا کی بورڈ اس رعایت سے ہی بنایا گیا تھا کہ اس سے عربی اور فارسی بھی ٹائپ ہو سکے۔ چنانچہ میں اس مشین سے عربی اور فارسی کی پوری پوری کتابیں ٹائپ کر چکا ہوں۔ البتہ اب عربی اور فارسی زبان کے ٹائپ رائٹروں کا کی بورڈ کچھ اور تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح چاہے اردو کا کی بورڈ بنایا جائے تو اس میں بھی بہت سی گنجائش اصلاح کی ہے اور اس بارے میں صحیح مشورہ وہی حضرات دے سکتے ہیں جنھیں ٹائپ کرنے کا عملی تجربہ رہا ہے۔

مشترک کی بورڈ کی مشینوں کا عرب اور ایران میں مقبول ہونا بہت مشکل ہے۔ البتہ کمپنی کو یہ مشورہ دیا جا سکتا ہے کہ وہ اردو ٹائپ رائٹر بنائے اور اسی کی بورڈ میں بہت ہی معمولی سی تبدیلی کر کے وہ عرب اور ایران سے بھی آرڈر حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

اگر بازار میں مشین موجود ہو تو ہندوستان جیسے بڑے ملک میں ایک سال میں ۵۰۰ مشینوں کا فروخت ہونا کچھ مشکل نہیں ہے۔ اس کے لئے کوئی بھی ادارہ سول ایجنسی کے ٹرمینس کو مطمئن کر سکتا ہے۔

(شاہد احمد فاروقی دہلی)

اردو تحریک میں نئی روح پھونکنے کی ضرورت

ہماری زبان کے مضامین روایتی اور فرسودہ موضوعات تک محدود رہے ہیں، جبکہ اسے ایک جریدہ سے زیادہ ایک تحریک بننا چاہئے۔

اس ضمن میں ہم سب پر اور بالخصوص اردو کی اس نسل پر سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو اردو کی بقا، بحالی اور ترقی کے لئے سعی و جہد کرے۔ عمل کی داعی اور امین ہے۔ بدلتے ہوئے حالات میں ہماری زبان کی ہر سطر سے ویسی ہی چنگاریاں پھوٹنی چاہئیں، جو الہلال اور البلاغ کے کالموں میں دیکھنے کو ملتی تھیں۔

میرا تاثر یہ ہے کہ آج تک اردو والے ایک طرح کے تنگ نظریے پن کا شکار رہے ہیں۔ وہ بالعموم اس حقیقت سے بے بہرہ رہے ہیں کہ غیر اردو داں اردو مخالف طبقہ اردو کے بارے میں کس انداز سے سوچتا ہے اور اس سلسلہ میں وہ کس قسم کے معروضی اور غیر معروضی دلائل سے کام لیتا رہا ہے؟ اگر ہماری زبان میں ان کے نقطۂ نظر کو پوری جامعیت کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے تو اردو والوں کو اردو کے بارے میں زیادہ حقیقت پسندانہ انداز سے سوچنے کا موقع ملے گا اور وہ خود کو مخالف نقطۂ نظر سے نبرد آزما ہونے کے لئے زیادہ مؤثر طور پر پیش کر سکیں گے۔ اور بلاشبہ اس سے ان میں نئی حرارت بھی آئے گی۔

اردو کی بدحالی اپنی جگہ مسلم ہے مگر یہ علاج نہیں اس کے لئے انقلابی طرز فکر کی ضرورت کل بھی تھی اور آج بھی ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ ہم اپنے ہم نواؤں میں مقصد کے حصول کے لئے بھی ایک ایسی ہی روح پھونک سکیں، جو انھیں صحیح معنوں میں بیدار کر سکے۔

ہماری زبان کے مدیر اور قلمی معاونین اس ضمن میں ایک فیصلہ کن اور تاریخی فریضہ ادا کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ہماری زبان کو ایک نئے عزم اور حوصلے کے ساتھ میدان کارزار میں کودنا پڑے گا یہی راہ نجات ہے۔

(ا۔ ے۔ خان)

میر تقی میر کی قبر

عرصہ ہوا ہماری زبان میں میر تقی میر کے مزار کی تباہ حالی کے بارے میں مراسلے شائع ہوئے تھے جن میں بتایا گیا تھا کہ وہ رقبہ جہاں میر کی قبر ہے ریلوے کی حدود میں آگیا ہے اور وہاں ریلوے کی عمارتیں بننا شروع ہو گئی ہیں۔ اس سے میر کی قبر کے معدوم ہو جانے کا خطرہ ہے۔

اردو دوستوں، اردو اداروں اور مرکزی اور ریاستی حکومتوں کو اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ جہاں حکومت اور اردو دوستوں کے قائم کردہ ادارے انجمن ترقی اردو، ترقی اردو بورڈ، غالب انسٹی ٹیوٹ اور اترپردیش اردو اکاڈمی، لاکھوں روپیہ اردو کتابوں کی تصنیف تالیف اور شاعروں کو انعامات دینے پر خرچ کر رہے ہیں وہاں ان کو اردو زبان کے محسنوں اور بانیوں کے مزاروں کی خستہ حالی کی طرف بھی توجہ دینی چاہئے حال ہی میں غالب انسٹی ٹیوٹ اور غالب اکاڈمی نے غالب کے مزار کی درستی اور ان کی یادگاریں قائم کر کے اچھی مثال قائم کی ہے۔ کیا اردو کے سب سے بڑے محسن میر تقی میر جن کی استادی کا اعتراف خود غالب نے "آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں" کہہ کر کیا ہے اس کے مستحق نہیں کہ ان کی آخری آرام گاہ کو زمانے کی دست برد سے محفوظ کر دیا جائے اور ان کی شخصیت کے شایان شان یادگار قائم کر کے ان کے کارناموں کو جلوہ گر کیا جائے؟

اردو دوستوں اور مندرجہ بالا اردو اداروں کو اس سلسلہ میں فوری طور پر عملی قدم اٹھا کر اردو زبان کے اس محسن اعظم کے آثار کو مٹنے سے بچانا چاہئے۔

(وارث بھائی کاوس جی جیوید بلو)

ایک شکایتی مراسلہ

ہماری زبان کے ۸ مئی ۱۹۷۸ء کے پرچے میں میرا مضمون "پانی یا سایہ" جس طرح پر شائع ہوا ہے اس سے مجھے شدید اختلاف ہے۔

"پانی یا سایہ" کے موضوع پر مختلف اہل قلم حضرات کے اظہار مضمون قومی آواز میں اور دس مضمون سرفراز ہفت روزہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب کے ۴۴ برس کے ایک بڑے بھائی کی طرف سے جبکہ ۲۸ مضامین بھی "پانی یا سایہ" کے ذیل میں شائع ہو چکے ہیں یہ درخواست کرنا کہ ہمیں یہ بتائیے کہ ماہر انیسیات اس مصرعے کی حقیقت اور مفہوم پر مزید روشنی ڈالیں کیا راقم الحروف کو مضمون فرمائیں گے کہاں تک مناسب ہے۔

کسی مضمون کو مختصر کرنے کے معنی یہ تو نہیں ہوتے کہ جو دلائل پیش کئے گئے ہیں ان سب کو یک لخت کاٹ کر رکھ دیا جائے اور عدم سلسلگی سے کسی نہ کسی طرح نامناسب الفاظ میں آگے کی بات پیچھے اور پیچھے کی بات آگے رکھ کر مضمون کو مسخ کر دیا جائے اور صاحب مضمون کے مقصد کے خلاف اور اس کی انداز تحریر سے ہٹ کر ڈھونڈنے بیٹھے سے جس طرح چاہے اپنی ذاتی رائے کو داخل کر دیا جائے۔

آفاق رضوی

اردو دنیا

انجمن کی خبریں

ریاست جموں و کشمیر میں اردو

براج پوری صاحب، صدر انجمن ترقی اردو جموں نے کہا کہ ریاست جموں و کشمیر میں اردو کا اہم رول رہا ہے کیونکہ اردو یہاں کے سب علاقوں کے درمیان رابطے کی زبان ہے۔ اس کا جموں و کشمیر کی علاقائی زبانوں سے کوئی جھگڑا نہیں ہے، بلکہ ڈوگری، کشمیری، لداخی، پنجابی اور گوجری جیسی زبانیں جتنی ترقی کریں گی، رابطے کی زبان کی حیثیت سے اردو اور پھولے پھلے گی۔

براج پوری صاحب، ڈاکٹر گیان چند جین کے ۱۹۷۶ء میں منعقد ہونے والے ایک جلسے سے خطاب کر رہے تھے۔ جین صاحب کو غالب انسٹی ٹیوٹ اور اترپردیش اردو اکیڈمی کے انعامات ملنے پر انجمن ترقی اردو (جموں) نے استقبالیہ دیا تھا۔ اس جلسے میں شجاعت حسین صاحب نے جین صاحب کی دو غزلیں سنائیں۔ عابد پیشاوری صاحب نے جین صاحب کی شخصیت اور ادبی خدمات پر مقالہ پڑھا۔ ڈاکٹر وید کماری گھئی صدر شعبۂ سنسکرت جموں یونیورسٹی نے کئی بھی زبانوں کی طرف سے جین صاحب کو مبارکباد دی۔

پروفیسر ابوذر عثمانی کے اعزاز میں ادبی نشست

گیا۔ ضلع انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام ایک ادبی و شعری نشست پروفیسر ابوذر عثمانی سکریٹری ریاستی انجمن ترقی اردو کے اعزاز میں زیر صدارت سید علی مظفر منعقد ہوئی۔ انجمن کے سکریٹری نصیر الحق گیاوی نے پروفیسر ابوذر عثمانی کا تعارف کرایا۔ پروفیسر ابوذر عثمانی نے اس موقع پر اپنی تقریر میں جدید ادب کے انتشار کی وجوہات کا تذکرہ کیا، ادیبوں کے سماجی منصب، مرتبے، علامت نگاری پر ... ہوتے ہوئے ادب کی انفرادیت تک جا پہنچی۔ اس کے بعد پروفیسر [illegible] اشرفی نے تقریر کی اور پروفیسر ابوذر عثمانی سے اختلاف رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ جدید ادب سے ہمدردی کی جانی چاہئے۔ اردو میں اب تک کوئی علامت نگار پیدا نہیں ہوا ہے۔ البتہ کچھ جدید تجربے لائق توجہ ہیں۔ بحث میں متعدد لوگوں نے حصہ لیا۔ اس کے بعد ایک شعری نشست ہوئی جس میں شعرائے کرام نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔

گوا میں انجمن ترقی اردو کا قیام

گوا کے اردو دوست اور اردو نواز حضرات کے ایک جلسہ عام میں انجمن اردو کا قیام عمل میں آیا اور متفقہ طور پر مندرجہ ذیل عہدیدار منتخب کئے گئے:

(۱) ایڈووکیٹ شرف آغا، صدر (۲) حاجی امام خان، نائب صدر (۳) عباس علی، نائب صدر (۴) محمد جعفر، جنرل سکریٹری (۵) مظہر شیخ اسمٰعیل، جنرل سکریٹری (۶) یوسف نگاری، نائب سکریٹری (۷) محمد حسین جرکاتی، نائب سکریٹری (۸) جی۔ ایس۔ چوپڑہ، خازن (۹) شیخ شوکت علی، نائب خازن

ممبران: (۱) داؤد خان (۲) ابراہیم خان (۳) قدوس خان (۴) سید صادق (۵) نصر اللہ خان (۶) سید نثار (۷) خواجہ اسمٰعیل (۸) سید معین الدین (۹) سید عظیم الدین (۱۰) عثمان آغا (۱۱) شیخ ابراہیم موسیٰ (۱۲) سید مخدوم الدین (۱۳) فضل حسین (۱۴) فیاض احمد بیاری (۱۵) نذیر احمد قاضی (۱۶) عبدالمجید خان (۱۷) وحید اللہ (۱۸) شمس الضیاء سید یوسف (۱۹) رام پرساد دیسائی (۲۰) عبدالرزاق منظوری (۲۱) خواجہ محمد فواد (۲۲) قاضی محمد مصطفےٰ (۲۳) بہاری لال گپتا (۲۴) جیا رستری (۲۵) شیخ عبدالرحیم۔

طے کیا گیا کہ یہ انجمن ریاستی شاخ کی حیثیت سے کام کرے گی اور اس کا الحاق براہ راست مرکزی انجمن سے ہوگا۔

اجلاس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ گوا میں سرکاری اردو میڈیم ہائی اسکول و مڈل اسکول قائم کئے جائیں اور آل انڈیا ریڈیو پنجم سے ہفتہ میں کم از کم دو بار اردو کا پروگرام نشر کیا جائے۔

انجمن نے گوا سے ایک اردو جریدہ جاری کرنے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔

بلرام پور میں اردو کانفرنس

لکھنؤ۔ اترپردیش انجمن ترقی اردو کے صدر جناب [illegible] نے ہدایت کی ہے کہ انجمن کی ممبرسازی کی تاریخ میں ۱۵ جولائی تک کی توسیع کر دی جائے۔ نیز پروگرام کے مطابق ۱۵ اور ۱۶ جون کو انجمن ترقی اردو اترپردیش کے زیر اہتمام اردو کانفرنس اور ایک کل ہند مشاعرہ ہونے جا رہا ہے۔

"ہماری زبان" کا خریدار بننا بھی اردو کی ایک خدمت ہے

دوسرے اداروں کی خبریں

اردو پروموشن فورم پنجاب

پنجاب میں اردو کی ترویج و ترقی کے لئے اردو پروموشن فورم قائم کیا گیا جس کی پہلی میٹنگ پنجاب ودھان سبھا ہال میں منعقد ہوئی۔ اس میٹنگ میں ڈاکٹر کیول کرشن صاحب اسپیکر پنجاب اسمبلی کو فورم کا سرپرست چنا گیا۔ ڈاکٹر نریش فورم کے وائس چیئرمین منتخب ہوئے اور جناب پریم گوپال نگر کنوینر۔

فورم نے پنجاب سرکار سے اپیل کی کہ وہ محکمہ السنہ میں اردو کا ایک شعبہ قائم کرے، "پاسبان" کو ادبی اور معیاری جریدہ کی شکل دے اور اردو کمیٹی کو ازسرنو تشکیل دے۔ فورم نے حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ آل انڈیا ریڈیو جالندھر پر اردو پروگراموں کے اوقات میں اضافہ کرے۔

سجاد ظہیر میموریل کمیٹی پنجاب

چنڈی گڑھ۔ اردو کے مشہور ادیب سجاد ظہیر مرحوم کی یاد کو قائم رکھنے کی غرض سے یہاں سجاد ظہیر میموریل کمیٹی قائم کی گئی۔ پنجاب کی وزیر برائے سوشل ویلفیئر کماری سرلا پراشر کمیٹی کی صدر منتخب ہوئیں اور ڈاکٹر نریش جنرل سکریٹری۔ کمیٹی نے اپنی پہلی میٹنگ میں سجاد ظہیر کی تخلیقات کا پنجابی میں ترجمہ شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔

چنڈی گڑھ میں ادبی سرگرمیاں

مقامی اردو پریشد کے زیر اہتمام ٹیگور تھیٹر میں ایک آل انڈیا مشاعرہ جناب لال چند پرارتھی چاند کی صدارت میں ہوا۔ مشاعرہ کا افتتاح پنجاب کے وزیر خزانہ جناب بلرام جی داس ٹنڈن نے فرمایا۔ مشاعرہ میں گورنر پنجاب جناب مہندر موہن چودھری بھی تشریف لائے۔ خصوصی طور پر مشاعرہ کے بعد ڈاکٹر نریش جنرل سکریٹری اردو پریشد نے اعلان کیا کہ پریشد عنقریب ہی چنڈی گڑھ میں اردو کی مفت تعلیم کا انتظام کرے گی۔ مشاعرہ سے

اشاعت کی تاریخیں

۱ ، ۸ ، ۱۵ ، ۲۲

قیمت سالانہ	آٹھ روپے
فی کاپی	پچیس پیسے
منیجر اشتہارات	اکرم حسیب خاں
منیجر	مظہر علی

گورنر پنجاب نے اردو پریشد کو ۔۔۔ روپے سالانہ مالی امداد دینے کا اعلان بھی فرمایا۔

دودھان سبھا کے ڈپٹی اسپیکر جناب ... سنگھ کی صدارت میں کہانیوں کی شام کا انعقاد کیا گیا۔ پنڈت موہن لال سابق وزیر داخلہ ... نے اس کا افتتاح فرمایا۔

اس تقریب میں ڈاکٹر نریش، جناب ... شرما، جناب سریندر پرکاش، جناب ... چوپڑہ، جناب رام لعل اور محترمہ رضیہ سجاد ظہیر نے اپنی کہانیاں سنائیں۔ ڈاکٹر قمر رئیس نے ان کہانیوں پر تبصرہ کیا۔

شب نجمی

حضرت انجم نجمی مرحوم کی یادگار کے طور پر بزم ادب و شاکھا پٹنم (آندھرا پردیش) کے زیر اہتمام وشاکھا پٹنم کے ٹاؤن ہال میں شب نجمی منائی گئی جس کی صدارت پروفیسر حفیظ اللہ نیوٹیوری نے فرمائی۔ جناب خالد انصاری ... مہمان خصوصی تھے۔

شب نجمی کے کنوینر ڈاکٹر ایم آر ... نے حضرت انجم نجمی کی ادبی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت نجمی نے اس بزم ادب کی بنیاد ڈالی تھی جو اب تک ادبی خدمات انجام دے رہی ہے۔

پروفیسر حفیظ اللہ نیوٹیوری نے اپنے خطبۂ صدارت میں جمہوریہ ہند میں اردو کی بحالی اور اردو کے موجودہ مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب انجم نجمی کی حیات، شاعری اور ادبی خدمات سے ان کی شخصیت پر بسیط تبصرہ فرمایا۔ شام کو شاعرہ منعقد ہوا جس میں ملک کے نامور شعرائے کرام نے شرکت فرمائی۔

قیصر حیدری دہلوی کا خیر مقدم

دلی کے مشہور شاعر جناب قیصر حیدری کی ... آمد پر شہر کی ادبی انجمنوں اور اداروں نے خیر مقدمی تقریبات منائیں۔ آپ نے یہاں کے علمی اداروں اور ادبی انجمنوں کے باہمی اتحاد و تعاون پر اطمینان و مسرت کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ اسی طرح سب ... کو اردو ادب کی ترقی و ترویج کے لئے جدوجہد کرنا چاہئے۔

مضمون نگاری کا انعامی مقابلہ

لکھنؤ۔ عربی و عرب کلچرل سوسائٹی لکھنؤ یونیورسٹی کے زیر اہتمام مضمون نگاری کا ایک مقابلہ ہو رہا ہے جس میں یونیورسٹی اور کالج کے تمام طلبہ اور طالبات حصہ لے سکتے ہیں۔ مضامین ... جنرل سکریٹری عربی و عرب کلچرل سوسائٹی شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی کو بھیج جانا چاہئیں۔ مضمون اردو، انگریزی یا عربی میں سے کسی زبان میں بھی ہو سکتا ہے مگر ایک ہزار الفاظ پر مشتمل ہونا چاہئے۔ پانچ نمبر صفائی کے رکھے گئے ہیں۔ مضمون کاغذ کے ایک طرف لکھا ہونا چاہئے اور اس پر کالج کے پرنسپل یا صدر شعبہ کی تصدیق لازمی ہے۔ عنوانات درج ذیل ہیں۔

۱۔ اقوام غیر پر تہذیب عرب کے اثرات
۲۔ عربوں کے موجودہ بحران کے اسباب۔
۳۔ عرب ممالک پر مغربی تہذیب و تمدن کے اثرات اور اس کے نتائج۔

حیدر عمر شاداں کی وفات

کھاگڑیہ (بہار) کے نوجوان شاعر حیدر عمر شاداں کا حرکت قلب بند ہو جانے سے ۲۸ اپریل کو انتقال ہو گیا۔

مرحوم سہ ماہی "تثلیث" کے مدیر اعلیٰ تھے اور اردو ادب کو ان کے مستقبل سے بہت امیدیں تھیں۔

ڈاکٹر منشار کو حکومت مہاراشٹر کا انعام

حکومت مہاراشٹر نے ڈاکٹر محمد منشاء الرحمن خاں منشار کو ان کی شعری تصنیف "آئینۂ اقبال" پر پہلا انعام، ایک سپاسنامہ مع تمغۂ اعزاز عطا کیا ہے۔

اردو فورم مونگیر

اردو فورم، مونگیر ۱۹۷۶ء میں قائم ہوئی۔ اس کا مقصد اردو داں طبقہ کی دشواریوں اور حکومت کے درمیان رابطہ قائم کرنا ہے۔ اس فورم کے تمام امور ایک کنوینر کے ذریعہ انجام پاتے ہیں۔ فورم کی میٹنگ ہر ماہ پابندی سے ہوتی ہے۔ اس وقت تک ۳۶ ماہانہ نشستیں ہو چکی ہیں۔ سال گزشتہ اس فورم نے اردو کی دشواریوں کے سلسلے میں جو اقدامات کئے اس کے صلے میں بہار اردو اکیڈمی نے اس کی خدمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے پانچ سو روپے کا عطیہ دیا۔

ایڈیٹر
خلیق انجم
منیجنگ ایڈیٹر: ناصر حسین نقوی
اسسٹنٹ ایڈیٹر: تفضل حسین

دانشگدوں کی خبریں

اقبال کا استعاراتی شعور

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں سیمینار

۱۵ اپریل کو اقبال سوسائٹی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے زیر اہتمام ہونے والے ایک سیمینار میں قاضی عبید الرحمن ہاشمی نے استعارات اقبال کی ندرت اور تہہ داری پر ایک مقالہ پڑھا۔ اقبال کے صرف ان استعاروں کو موضوع بحث بنایا گیا تھا جو اپنی خارجی ہیئت کے اعتبار سے بھی قابل توجہ ہیں لیکن درحقیقت وہ باطنی سطح پر معنی کے بعض نہایت دلکش، نادر اور پیچیدہ خطوط پر ڈھلے ہیں۔ ان کے تجزیاتی انداز سے واضح ہوا کہ اقبال کے استعاروں کی تخلیقی ندرت اور وسعت جن کے سبب ان کا استعاراتی شعور اپنا ایک امتیازی مقام حاصل کرتا ہے اول یہ ہے کہ وہ شاعری کی تخلیقی فکر سے گہرے طور پر مربوط ہیں جو کسی صنعت کاری یا افکار کی تجربے منظوم نہیں ہیں۔ دوم وہ اپنی کائنات باطن میں پوشیدہ معنی کے پر اسرار اور داخلی نقوش کی دریافت کے لئے ہمیں ان ارتسامات اور وجدانی لہروں کو گرفت میں لینے پر مجبور کرتے ہیں جن کا تعاقب کئے بغیر اقبال کے استعاروں کی حقیقی معنویت کا عرفان تقریباً ناممکن ہے۔ مقالہ کی خصوصیت یہ تھی کہ مقالہ نگار تجزیے کے مرحلے میں فن کی اقلیمی راہوں پر جادہ پیما رہا جس کی طرف اقبال کا استعاراتی شعور و احساس اشارہ کرتا ہے جس کے سبب وہ شعر پر پڑی ہوئی بعض حالیاتی اور وجدانی جہتوں کو واکرنے میں کامیاب ہوا۔ ڈاکٹر ... نے مبارکباد پیش کی اور فرمایا کہ امسال جو سے شعبے نے اقبال تقریبات کا جو سلسلہ اقبال سیمینار منعقد اور اقبال پر لیکچر پیش کر کے شروع کیا تھا اس کی آخری کڑی قاضی عبید الرحمن ہاشمی کے اس مقالے کو تصور کرنا چاہئے۔ صدر جلسہ خلیل الرحمن اعظمی نے نئے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے تخلیقی و تنقیدی امور میں معروضیت سائنسی نقطۂ نظر اور عقلی و منطقی رویہ پر زور دیا۔

۲۲ اپریل کے "ہماری زبان" میں انجمن ترقی اردو بورڈ کے صدر ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب کی اس تقریر کا اقتباس پڑھا جو انھوں نے "ادارۂ ادبیات اردو" حیدرآباد میں خوشنویسی کلاس کے افتتاح کے موقع پر کی تھی۔

موصوف نے فرمایا کہ اسلامی ممالک میں خطاطی کی جگہ ٹائپ نے لے لی ہے۔ یہ حقیقت

اسلامی ممالک میں فنِ خطاطی

ہے کہ اسلامی ممالک میں رسائل و کتب کتابت کے مرہونِ منت نہیں رہے سارا کام ٹائپ میں ہوتا ہے۔ اس سب کے باوجود اسلامی ممالک میں فنِ خطاطی بدستور باقی ہے۔ سطور ذیل میں تین بڑے اسلامی ممالک کے بارے میں معلومات مہیا کی گئی ہیں۔

(مصر) کلیۃ تحسین الخطوط (خوشنویسی کالج) قاہرہ کے ایک حصہ "عباسیہ" میں خوشنویسی کالج قائم ہے۔ چار سالہ نصاب ہے۔ نصاب کی تکمیل کے بعد ڈگری ملتی ہے، نسخ، نستعلیق، شکستہ وغیرہ چھ قسم کے خطوط کی تعلیم دی جاتی ہے۔ فارغین کے لئے تمام خطوط میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے۔ قاہرہ یونیورسٹی، جامعہ ازہر کے طلبہ اور سرکاری ملازمین اس کالج سے استفادہ کرتے ہیں۔ کلاسیں شبینہ ہوتی ہیں۔

مصری طلبہ کے علاوہ قاہرہ اور ازہر میں زیر تعلیم غیر ملکی طلبہ خصوصاً جاوی، سماتری طلبہ یہ فن شریف سیکھ کر اپنے وطن جاتے ہیں۔

بغداد میں بھی فن خطاطی باقی ہے عراق کے مشہور ادیب "ولید الاعظمی" نے معاصرین خطاطوں کا ایک تذکرہ بھی لکھا ہے۔

(افغانستان) افغانستان میں یہ فن زندہ ہے اور اس کے گیسو سنوارنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ درسی کتب و اخبارات ٹائپ میں چھپتے ہیں، لیکن خطاط حضرات اپنے فن کا مظاہرہ یادگاری قطعات نویسی، طغرا نویسی، عمارتوں کے تحسین کے پتھر اور مزار وغیرہ میں کرتے ہیں۔ باحیات خطاطوں میں شیر علی تاوانی، محمد ابراہیم جامی، فرزند مولوی خستہ۔ نوجوان خطاطوں میں محمد حسین سلجوقی، محمد علی عطا استاد خطاط سمجھے جاتے ہیں۔

جای خوش است نمونہ چراغ خطاطی در افغانستان روشن است

(ایران) ایران فن خوشنویسی کا مرکز ہے۔ اہل ایران کی نسبی ہی سے خط نستعلیق وجود میں آیا۔ فن شاعری کی طرح اس میں بھی باضابطہ شاگردی استادی کا سلسلہ شروع ہوا۔ موجودہ بادشاہ رضا پہلوی کی توجہ سے اس فن کو رواج عام دینے کی بھرپور کوشش ہو رہی ہے۔ امید ہے کہ ایران کی دیگر ثقافتی و تعلیمی تحریکوں کی طرح یہ تحریک بھی کامیاب ہو۔ اصفہان اور شہروں میں خوشنویسی کے مدارس کا ایک جال سا بچھا دیا گیا ہے۔ وزارت تعلیم و ثقافت نے انجمن خوشنویسان ایران کی تشکیل کی ہے۔

معاصر خطاطوں میں حبیب اللہ فضائلی بہت مشہور و معروف ہیں۔ موصوف مدرسہ خوشنویسی اصفہان کے مدیر ہیں۔ ان کی خطاطی کے نمونے اصفہان، اہواز اور شیراز کی مساجد کی دیواروں پر ثبت ہیں۔ خطاطی کے اعلیٰ نمونے افغانستان و ایران کے فارسی رسائل میں چھپتے رہتے ہیں۔ بھارت میں جو کتابت ہوتی ہے اس کو ننگ کتابت کہنا زیادہ صحیح ہے۔ باستثنائے چند ناشرین کے کسی کے یہاں کتابت و طباعت کا کوئی معیار ہی نہیں۔ بہرحال اندراجی کے دور میں اردو زبان و ادب اور کتابت کے تحفظ کا کام ہو رہا ہے خدا نے چاہا تو ترویج و اشاعت کا کام بھی شروع ہو جائے گا۔ رہ گئی تاریخی عمارتوں پر کندہ تحریروں کا پڑھنا تو اس کی طرف توجہ کون دے ہمارے تاریخ (مسلم یونیورسٹی) کے طلبہ بھی فارسی زبان سے ناآشنا ہیں تو ان تاریخی مآخذ اور عمارتوں کا پرسانِ حال کون ہوگا؟ جب ضرورت پڑے گی مصر و ایران سے ان خطوط اور زبان کے پڑھنے والے بلائے جائیں گے۔ ابھی جلدی کیا ہے؟

(محمد احمد فاروقی)

مطبوعاتِ انجمن

۱۔	ادبی اور قومی تذکرے	پنڈت کشن پرشاد کول	۹/۵۰
۲۔	اردو ساہتیہ کا اتہاس (ہندی)	سید احتشام حسین	۴/۵۰
۳۔	اردو صرف و نحو (جدید ایڈیشن)	مولوی عبدالحق	۱/۲۵
۴۔	اردو ہندی لغت	مرتبہ انجمن ترقی اردو	۲۰/۰۰
۵۔	اسلام کے علاوہ مذاہب کی ترویج میں اردو کا حصہ	ڈاکٹر محمد عزیر	۵/۵۰
۲۲۔	تنقیدیں	ڈاکٹر خورشید الاسلام	۶/۰۰
۲۳۔	چند ہم عصر	مولوی عبدالحق	۲/۰۰
۲۴۔	حالی کی ایک جھلک	بیگم صالحہ عابد حسین	۱/۵۰
۲۵۔	خطوطِ غالب	مالک رام	۴/۵۰
۲۶۔	دلسپید	منور لکھنوی	۳/۰۰
۲۷۔	دیمک کی کہانی	ڈاکٹر عبدالبصیر خاں	۲/۰۰

گل کرسٹ اور اس کا عہد

فورٹ ولیم کالج اور گل کرسٹ کے علمی کارناموں اور گل کرسٹ کے سوانح پر واحد مستند کتاب

صفحات :- ۳۹۲

قیمت :- ۷ روپے

نئے ڈرامے

از

ڈاکٹر محمد حسن

اردو کے بارہ بہترین ڈراموں کا انتخاب

صفحات : ۴۱۲ قیمت : ۵ روپے

۶۔	اخلاقی سماجیات	ڈاکٹر جعفر حسن	۴/۵۰
۷۔	الایام (اردو ترجمہ)	ڈاکٹر طٰہٰ حسین، مترجم سید عبدالباقی قدواری	۴/۰۰
۸۔	انتخاب شرح دیوان موتن	حامد حسن قادری	۵/۰۰
۹۔	انتخاب کلام میر	مولوی عبدالحق	۳/۰۰
۱۰۔	انجم کدہ	عزیز لکھنوی	۲/۵۰
۱۱۔	انواعِ فلسفہ	ظفر حسین خاں	۵/۵۰
۱۲۔	آئینۂ حقیقت	پنڈت حبیب الرحمٰن شاستری	۲/۰۰
۱۳۔	ایک مشرقی کتب خانہ	سید مبارز الدین رفعت	۳/۰۰
۱۴۔	باپو کے قدموں میں (مکمل)	ڈاکٹر راجندر پرشاد	۱۵/۰۰
۱۵۔	بانگید	شبیب الرحمٰن	۳/۵۰
۱۶۔	بچوں کے ادب کی خصوصیات	مشیر فاطمہ	۱/۰۰
۱۷۔	بصیرتِ گیتا	محمود الحسن خاں	۲/۵۰
۱۸۔	پرچھائیں	آصف علی	۴/۰۰
۲۸۔	دیوانِ غالب	امتیاز علی عرشی	۲۰/۰۰
۲۹۔	روزگار شرح سود اور زر	ابو سالم	۸/۵۰
۳۰۔	سخن مختصر (نیا مجموعہ کلام)	معین احسن جذبی	۲/۰۰
۳۱۔	سن تادان	پنڈت سندر لال	۴/۰۰
۳۲۔	سیاسیات کے اصول (مکمل)	ہارون خاں شروانی	۵/۰۰
۳۳۔	سیر افلاک	حکیم احمد	۵/۰۰
۳۴۔	سوکو آریاد	رحم علی الہاشمی	۲/۲۵
۳۵۔	شادی کہانی شادی کی زبانی	محمد مسلم	۵/۰۰
۳۶۔	شگفتہ (اردو)	بیگم قدسیہ زیدی	۳/۰۰
۳۷۔	" (ہندی)	"	
۳۸۔	شہر بہار	مجنوں گورکھپوری	۱/۵۰
۳۹۔	صحیفۂ خوش بیان	مولوی احترام الدین احمد شاغل	۲/۰۰
۴۰۔	صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات (۱۸۴۸ء–۱۸۵۳ء)	محمد عتیق صدیقی	۹/۰۰

مسائلِ تصوف

میکش صاحب نے برسوں کی محنت سے تصوف کی تمام اصطلاحوں کی مستند شرح پیش کی ہے۔

از

میکش اکبرآبادی

صفحات : ۱۸۶

قیمت : ۹ روپے

دو تاریخی ڈرامے

از

فضل الرحمٰن

فضل الرحمٰن صاحب کے دو تاریخی ڈرامے سقراط اور شیر خاں دو مشہور تاریخی شخصیتوں کی زندگی کے واقعات پر مشتمل ہے۔

صفحات : ۱۹۱

قیمت : ساڑھے سات روپے

۱۹۔	تاریخ جمالیات	مجنوں گورکھپوری	۲/۰۰
۲۰۔	تذکرۂ گلشن حق	مسعود حسن رضوی ادیب	۴/۰۰
۲۱۔	تذکرۂ شعرائے جے پور	احترام الدین احمد شاغل	۴/۵۰
۴۱۔	ظاہر و باطن	محمد فضل الرحمٰن	۱/۲۵
۴۲۔	فرانسیسی ادب	ڈاکٹر یوسف حسین خاں	۱۳/۰۰
۴۳۔	فائزہ دہلوی اور دیوان فائز	مسعود حسن رضوی ادیب	۵/۵۰

اخباری تراشے

آنند نرائن ملا اردو بورڈ کے وائس چیرمین

دہلی، انجمن ترقی اردو ہند کے صدر جناب آنند نرائن ملا کو ترقی اردو بورڈ کا وائس چیرمین مقرر کردیا ہے۔ ملا صاحب پارلیمانی اردو کمیٹی کے صدر اور اتر پردیش اردو اکاڈمی کے چیرمین بھی ہیں۔ • روزنامہ دعوت۔ دہلی

اردو مصنفین ڈائرکٹری کے لئے عطیہ

لکھنؤ، ہماچل پردیش کے وزیر جنگلات جناب لال چند پرارتھی نے کلچرل اکاڈمی کی طرف سے اردو مصنفین ڈائرکٹری کی تیاری کے لئے اردو پروموشن فورم کو پانچ ہزار روپیہ دینے کا اعلان فورم کی ایک نشست میں کیا ہے جس کی صدارت پنجاب اسمبلی کے اسپیکر جناب ڈاکٹر کیول کرشن نے کی تھی۔ • روزنامہ قومی آواز لکھنؤ

اردو پارلیمانی کمیٹی کی سرگرمیاں

نئی دہلی، ممبران پارلیمنٹ کی اردو کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ مختلف ریاستوں کے صدر مقاموں کو وفد بھیج کر وزرائے اعلیٰ سے اردو کو اس کا جائز مقام دلوانے کی کوشش کرے گی۔

یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ ریاستی حکومتوں سے رابطہ قائم کرکے اُن پر زور دیا جائے کہ خاص اشاعت والے غیر فرقہ وارانہ نقطۂ نظر کے حامل اخباروں کو اخباری کاغذ کا کوٹا معقول مقدار میں دیا جائے۔

کمیٹی نے حکومت اترپردیش پر زور دیا ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھے کہ ریاست میں جو اردو اساتذہ رکھے گئے ہیں وہ برابر کام کرتے رہیں اور ان کی ملازمت محض کمیٹی بنیادوں پر ختم نہ کی جائے۔

کمیٹی نے ملک میں اردو کے مفادات پر نگاہ رکھنے کے لئے ایک ذیلی کمیٹی مقرر کردی ہے۔ یہ کمیٹی اس بات کو دیکھے گی کہ جو بچے اردو میں تعلیم حاصل کرنا چاہیں ان کو آسانی سے اس کے مواقع ملیں۔ کمیٹی نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ اردو کی تعلیم پیشہ ورانہ ہونی چاہئے۔ یہ کمیٹی مسز نورالامام، جناب خورشید عالم خاں، جناب سرشنٹ ویاوی، جناب اشفاق حسین، اور جناب ست پال کپور جنرل سکریٹری پر مشتمل ہے۔ • روزنامہ قومی آواز لکھنؤ

لال کنویں میں اردو گرلز ہائر سکنڈری اسکول

دہلی، ایڈمنسٹریشن کے محکمۂ تعلیم کے ایک جلسہ میں لال کنواں اردو میڈیم گرلز مڈل اسکول کو ترقی دے کر اردو میڈیم گرلز ہائر سکنڈری بنا دینے کی منظوری دیدی گئی ہے۔

اسکول زینت محل بلڈنگ واقع لال کنواں میں منتقل ہو گیا ہے۔ اردو میڈیم کی لڑکیاں جو نویں اور دسویں کلاس میں داخلہ لینا چاہتی ہیں وہ اس اسکول میں داخلہ لے سکتی ہیں۔

• روزنامہ الجمعیۃ۔ دہلی

بھوپال میں اقبال صدی تقاریب

بھوپال، اقبال لائبریری کے زیر اہتمام

پروفیسر رشید احمد صدیقی کے خطوط

میں پروفیسر رشید احمد صدیقی کے مکاتیب مرتب کر رہا ہوں۔ جن حضرات کے پاس موصوف کے خطوط ہوں براہ کرم بذریعہ رجسٹری ارسال فرما دیں۔ میں استفادے کے بعد واپس کردوں گا۔ ڈاک خرچ میرے ذمے ہوگا۔

مخلص

سلیمان اطہر جاوید

شعبۂ اردو، ایس وی یونیورسٹی، تروپتی

شفا منزل بھوپال میں اقبال صدی تقاریب

ثنائی ٹیمیں ابتدا میں کم عمر بچوں نے علامہ اقبال کی نظمیں ترنم سے پیش کیں۔ اس کے بعد تحریری تقریر کے مقابلے میں اسکول اور کالج کے طلبہ نے حصہ لیا۔

بہترین تقریر کا پہلا انعام حمیدیہ کالج کے طالب علم جناب عرفان خان کو ملا۔ ان کا موضوع "کلام اقبال کی روشنی میں آج کے مسائل" تھا۔

دوسرا انعام نعیم صاحب کو ان کے مقالے "اقبال مفکر اعظم" پر ملا۔ تیسرا انعام جناب مقصود احمد کو ان کے مقالے "کلام اقبال کی روشنی میں آج کے مسائل" پر ملا۔

بچوں کے مقابلے میں نعت خواں کو پہلا، عائشہ مصطفیٰ کو دوسرا اور فضل احمد کو تیسرا انعام ملا۔ خصوصی انعامات محمد آصف شبانہ، اخلاق، محمد یوسف خاں، تنویر حسن، اطہر درخشاں اور ناظمہ دانش کو دیے گئے۔

دوسری نشست میں مہمان خصوصی ڈاکٹر روی پرکاش، وائس چانسلر بھوپال یونیورسٹی نے طلبہ و طالبات کو انعامات تقسیم کئے۔ اس کے بعد بھوپال کے دانشوروں نے اقبال کی زندگی اور شاعری پر روشنی ڈال کر علامہ کو بھرپور خراج عقیدت پیش کیا۔

مہمان خصوصی جناب روی پرکاش صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں علامہ کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اور یونیورسٹی میں اقبال چیئر قائم کرنے کا وعدہ کیا، اور لائبریری کو ۱۰۰۰ روپیہ بطور عطیہ دینے کا بھی اعلان کیا۔ آخر میں جعفری صاحب نے شیش محل کی عمارت کو علامہ اقبال کی یادگار بنانے کی تجویز پیش کی جو اتفاق رائے سے منظور ہوگئی۔

بعد ازاں جناب کیف بھوپالی کی صدارت میں مشاعرہ ہوا جس میں متعدد نامور شعراء نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔



نئی کتابیں

حسرت موہانی ۔ حیات اور کارنامے

از : احمر لاری

حسرت موہانی پر اب تک صرف دو کتابیں شائع ہوئی تھیں، مولانا عارف ہسوی کی "حالاتِ حسرت" اور پروفیسر عبد الشکور کی "حسرت موہانی"۔ یہ دونوں کتابیں بہت ہی مختصر اور تشنہ تھیں۔ حال ہی میں اس موضوع پر احمر لاری کی کتاب "حسرت موہانی ۔ حیات اور کارنامے" شائع ہوئی ہے۔ یہ ان کا تحقیقی مقالہ ہے جس پر انھیں گورکھپور یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری ملی ہے۔ اب تک حسرت کے ساتھ اہل اردو نے جو بے انصافی کی ہے اُس کی تلافی کے لئے یہ مقالہ کافی ہے۔ حسرت کے سوانح، اُن کی شخصیت و سیرت اور ان کے فن پر یہ انتہائی جامع کتاب ہے۔ لاری صاحب نے ایسے وقت یہ کام کیا ہے جب حسرت کو بہت قریب سے دیکھنے والوں کی خاصی تعداد زندہ تھی، اور جن سے پوری طرح استفادہ کیا گیا ہے اور جس کی وجہ سے یہ مقالہ بہت اہم ہو گیا ہے۔

حسرت کی شخصیت کا دلچسپ ترین پہلو اُس کی رنگا رنگی ہے۔ وہ سیاست میں بھی تھے اور ادب میں بھی۔ پانچوں وقت کے نمازی بھی تھے اور کٹر کمیونسٹ بھی۔ ہندوستان کی جدو جہدِ آزادی میں ان کا رول اور قربانی و ایثار کسی بھی قوم پرست مجاہد سے کم نہیں رہا۔ ساری زندگی دار و رسن کی آزمائشوں میں گزری۔ تین بار جیل گئے اور تقریباً چھ سال چکی کی مشقت میں کاٹے۔ اگرچہ ان سے پہلے بھی کانگرس میں دو چار مسلمان تھے۔ لیکن حسرت علی گڑھ یونیورسٹی کے پہلے طالب علم ہیں، جنھوں نے حکومت پرستی کی روایتوں کو توڑ کر کانگرس کا کھلم کھلا ساتھ دیا۔ انھوں نے اردوئے معلیٰ کے ذریعہ مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا کیا۔ بقول لاری صاحب کانگریس دشمنی اور حکومت کی خوشامد کے خلاف آواز بلند کی۔ وہ انقلابی اور باغیانہ مزاج کے آدمی تھے۔ اسی لئے کانگرس میں رہتے ہوئے تو بالِ گنگا دھر تلک کو اپنا رہنما تسلیم کیا۔ جب کانگرس مصلحت کوشی کی شکار ہونے لگی تو انھوں نے کانگرس کو چھوڑ دیا اور دہشت پسندوں کے ساتھ ہو گئے۔ وہ نہ کانگریسی تھے، نہ مسلم لیگی اور نہ کمیونسٹ، نہ قائدِ ڈبلائی۔ صرف قوم پرست اور انسان دوست تھے اور برطانوی حکومت کے سخت دشمن۔ ان کی ساری زندگی قربانی و ایثار کی بہترین مثال ہے۔ اُن جیسے ذی علم اور باصلاحیت انسان پر کبھی کبھی فاقے کی نوبت آجاتی تھی۔ انھیں ہر طرح کے مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا۔ لیکن اُن کے قدم کبھی نہیں ڈگمگائے۔

ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ میں جو مقام انھیں ملنا چاہئے تھا، نہیں ملا۔ بہت کم لوگوں کو اس کا علم ہے کہ ترکِ موالات کی تحریک جو ۱۹۱۹ء میں منظور ہوئی۔ اور جس نے ہندوستانی سیاست کو غیر معمولی طور سے متاثر کیا، حسرت ہی کی پیش کی ہوئی تھی۔ اسی طرح ۱۹۲۱ء میں احمد آباد کے کانگرس کے جلسے میں مکمل آزادی کی قرار داد پہلی بار حسرت ہی نے پیش کی تھی لیکن گاندھی جی اور دوسرے رہنماؤں کی مخالفت کی وجہ سے یہ قرار داد منظور نہ ہو سکی۔ یہ اور بات ہے کہ آٹھ سات سال بعد کانگرس خود مکمل آزادی کا مطالبہ کرنے پر مجبور ہو گئی۔ لاری صاحب کا مقالہ پڑھ کر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ حسرت کے خلوص، ایمانداری، حق گوئی، بے باکی، انسان دوستی، انقلابی ذہنیت، سیمابی مزاج اور بہت جلد تاریخ دیکھنے کے خواہش مند ذہن نے انھیں ہندوستانی سیاست میں وہ مقام نہیں دیا جس کے وہ مستحق تھے۔

لاری صاحب نے حسرت کی سیرت اور شخصیت کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے بہت سے دلچسپ واقعات بھی پیش کئے ہیں۔

حسرت کے بارے میں ہمیشہ سے میرے ذہن میں ایک سوال رہا ہے اور وہ یہ کہ ایک شخص جو سیاست اور عملی زندگی میں انتہا پسند بلکہ باغیانہ، رومانی اور انقلابی ذہن رکھتا ہو وہ ادب میں کس طرح کلاسیکی روایات کا علمبردار ہو سکتا ہے۔ اس کی شاعری اور تنقید پر روایت کی اتنی گہری چھاپ کیسے ہو سکتی ہے؟ مجھے اُن حضرات سے اور خود لاری صاحب سے اختلاف ہے جو کہتے ہیں کہ حسرت نے غزل کو ایک نیا موڑ دیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ انھوں نے اپنے بہت سے ہم عصروں کے مقابلے میں بہتر غزل کہی۔ لیکن یہ کہنا مناسب نہیں کہ انھوں نے غزل میں کوئی غیر معمولی کارنامہ انجام دیا جس کی اُن میں یقیناً صلاحیت تھی۔ ایک دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ حسرت نے ۱۹۳۶ء میں نہ صرف ترقی پسند تحریک کا خیر مقدم کیا، بلکہ اُن کی حوصلہ افزائی کی۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس میں انھوں نے تقریر بھی کی اور بقول سجاد ظہیر مرحوم انھوں نے کہا کہ "محض ترقی پسندی کافی نہیں ہے جدید ادب کو سوشلزم بلکہ کمیونزم کی بھی تلقین کرنی چاہئے۔ ۔ ۔ ۔" جب یہ ادیبوں کے سامنے یہ نصب العین پیش کر رہا ہوں تو خود اس پر عمل کیوں نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ میری شاعری میں اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوگی۔ لیکن آپ کو اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرنا چاہئے۔ وہ ہوسناکی کی شاعری ہے۔ اس کا مقصد تفنن اور تفریح ہے۔ حسرت کی شخصیت کے اس تضاد پر کوئی ماہرِ نفسیات ہی روشنی ڈال سکتا ہے۔

ایسے اہم موضوع پر اتنی اچھی کتاب لکھنے کے لئے احمر لاری صاحب ہماری مبارکباد کے مستحق ہیں۔

ادبستان، نظام پور، گورکھپور صفحات ۴۶۴، قیمت بیس روپے۔

(خلیق انجم)

دو تاریخی ڈرامے

از : فضل الرحمٰن

فضل الرحمٰن صاحب اردو کے بہت مشہور ڈرامہ نویس ہیں۔ اس سے پہلے انجمن ان کے دو ڈرامے "ظاہر و باطن" اور "نئی روشنی" شائع کر چکی ہے جو غیر معمولی مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ زیرِ نظر تصنیف دو مشہور تاریخی ہستیوں سقراط اور چنگیز خاں کے واقعات اور زندگی پر مشتمل ہے۔

یہ دونوں ڈرامے ادبی شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنگیز خاں کی بہادری اور قتل و غارت گری کے بہت ناک واقعات حسن انداز سے پیش کئے گئے ہیں اس کی مثال دوسری جگہ مشکل سے نظر آتی ہے۔ اسی طرح سقراط کا جام شہادت پینے کا منظر آنکھوں کیں کھینچ جاتا ہے۔ بقول مصنف ان ڈراموں میں "تاریخی اہمیت کے ساتھ ساتھ عصری اپیل کی جھلک بھی نظر آتی ہے"۔

انجمن ترقی اردو ہند۔ صفحات : ۱۹۱۔ قیمت ساڑھے سات روپے۔

(ایم حبیب خاں)

"ہماری زبان" کی قیمت میں اضافہ

کاغذ کی گرانی کی وجہ سے "ہماری زبان" کی قیمت میں اس شمارے سے معمولی سا اضافہ کیا جا رہا ہے۔

اب سالانہ قیمت ۸ روپے اور فی پرچہ قیمت پچیس پیسے ہوگی۔

(ادارہ)

اظہر پرویز

کرشن چندر ایک حسّاس فنکار

اردو کے پہلے افسانہ نگار پریم چند کا انتقال ۱۹۳۶ء میں ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ افسانوں کی ریلے ریس میں پریم چند نے اپنی منزل پر پہنچ کر افسانوں کی جھنڈی کرشن چندر کے حوالے کر دی۔ کرشن چندر نے اس روایت کو آگے بڑھایا اور بہت جلد کرشن چندر اردو کا صف اول کا افسانہ نگار بن گیا۔

ایلیا اہرن برگ نے ایک جگہ لکھا ایسی ہی بات لکھی ہے کہ کسی ادیب کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ ایسے ادب کی تخلیق کر سکتا ہو جو ہمیشہ کے لیے ہو بلکہ اس کو ایسے ادب کی تخلیق پر بھی قادر ہونا چاہیے جو چاہے صرف ایک لمحے کے لیے ہو لیکن اس ایک لمحہ میں اس کی قوم کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہو۔

کرشن چندر نے ایسی ان گنت کہانیاں لکھیں جو ایسے ہی جانے کتنے لمحوں کی یادگار بن گئیں۔ کرشن چندر کے افسانوں میں ہندستانی سیاست کے چالیس برسوں کی جھلک نظر آتی ہے اور ہندستانی عوام جن جن راہوں سے گزر رہے ہیں، ان کے مختلف موڑوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔

کرشن چندر نے اردو افسانوی ادب کو اس کے بچپن میں ہی وہ آب و تاب دے دی کہ جوانوں کو بھی رشک آنے لگا۔ کرشن چندر کی بدولت اردو افسانہ بڑی تیزی سے آگے بڑھا۔ مجھے یاد ہے کہ حافظ کی غزلیں لوگ سوغات کے طور پر اپنے دوستوں کو بھیجتے تھے۔ اسی طرح فیض کی غزلیں اور نظمیں ہندوستان اور پاکستان کا سفر کرتی رہی ہیں۔ کرشن چندر کے افسانوں کی مقبولیت، ہندستان کی ترقی پسند تحریک کا ایک سنہرا دور ہے۔ ۱۹۴۱ء کے زمانے کی بات ہے۔ جب میں علی گڑھ میں پڑھ رہا تھا، کرشن چندر کے افسانے ساقی، ادب لطیف، ادبی دنیا، آجکل وغیرہ میں دھوم مچا رہے تھے۔ جہاں کوئی نیا افسانہ آیا، رسالہ یونیورسٹی کے ہوسٹلوں کے چکر لگانے لگا۔ ہر طالب علم کی زبان پر اس کا نام ہوتا۔ لڑکے ستاروں کی طرح چمکتے کہ شاید ان میں کرشن چندر کا افسانہ ہو۔ ٹوٹے ہوئے تارے، زندگی کے موڑ پر، ان داتا، ہم وحشی ہیں، یہ سب ادب میں امر ہو چکے ہیں۔ بعض افسانوں کے عنوانوں کے نام یاد نہیں ہیں۔ یہ اردو افسانے کے مختلف سنگ میل ہیں۔ جو مقبولیت کرشن چندر اور ان کے افسانوں کو حاصل ہوئی وہ کسی بڑے سے بڑے ادیب کے لیے بھی قابل فخر ہے۔

کرشن چندر نے ترقی پسند تحریک کو عروج بخشا۔ اگر میں یہ کہوں کہ ہندوستان کے دانشوروں میں اشتراکی تحریک کی مقبولیت میں کرشن چندر کے افسانوں کا بڑا دخل ہے تو یہ ایک حقیقت کا اعتراف ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں مبالغہ ہو لیکن اس حد تک جتنا ادب کے لیے ضروری ہے۔ کرشن چندر نے ایک پوری نسل کو متاثر کیا۔ ان داتا، ہم وحشی ہیں، بالکونی، بت جاگتے ہیں، ہما کشتی کا پل، کالو بھنگی، پیشاور ایکسپریس، گرجن کی ایک شام، زندگی کے موڑ پر، اردو ادب میں تہلکہ مچا چکے ہیں اور کتنی محفلوں میں باجماعت پڑھے گئے ہیں۔

انھوں نے خود ہی اردو افسانے کی روایتیں قائم کیں اور خود ہی ان کو توڑا بھی۔ انھوں نے نئے نئے تجربے کیے۔ ان کی زبان میں شعریت بھی تھی اور کھردراپن بھی اور ان دونوں سے انھوں نے فنی کام لیے۔ وہ جذباتی زبان بھی لکھتے ہیں، خیالی پیکر بھی پیدا کرتے ہیں اور زندگی کی حقیقتوں سے الجھتے ہیں۔ شاید ہی کسی بڑے افسانہ نگار نے کسی زبان میں اتنے تجربے کیے ہوں جتنے کرشن چندر نے کیے۔ آج اردو افسانے کی مقبولیت میں کرشن چندر کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انھیں ساہتیہ اکیڈمی یا غالب انسٹی ٹیوٹ کا کوئی انعام نہیں ملا۔ لیکن انھیں ان کے پڑھنے والوں نے جو اعزاز دیا وہ بہت کم ادیبوں کے حصے میں آیا ہوگا۔

کرشن چندر نے ترقی پسند تحریک سے اپنا ناتا جوڑا۔ انھیں اس کے فوائد حاصل ہوئے لیکن انھوں نے اس کے نقصانات کو بھی خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ ورنہ بہتوں کی طرح وہ بھی "میٹھا میٹھا ہپ ہپ، کڑوا کڑوا تھو تھو" کرتے رہتے۔ لیکن انھوں نے کڑوا کڑوا بھی ہپ ہپ کیا اور کسی کو محسوس نہ ہونے دیا کہ وہ کڑوا مشروب پی رہے ہیں اور اسے "بادل ناخواستہ" نگل رہے ہیں۔ جب یہ تحریک ادھر ادھر ہو کے گری تو کرشن چندر کے بھی چوٹ آئی۔

کرشن چندر کے اندر کا عظیم افسانہ نگار اتنی ہی شدت کے ساتھ آج بھی زندہ ہے۔ ان کے یہاں وہی تنوع ہے۔ کرشن چندر کے ہاتھ میں تکنیک موم بن جاتی ہے وہ اسے جس طرح چاہتے ہیں موڑ لیتے ہیں۔ اگر کوئی کلاسیکل ذہن کا نقاد سمجھتا ہے کہ آئینے کے سامنے، فوادرسی، ان داتا، ذرا باتیں، بازو کی چوری، بت جاگتے ہیں — افسانے نہیں "کچھ اور" ہیں تو یہیں ادب سے تحریر کا کرب ہے کہ آپ یہ افسانے [illegible] سمجھ کر پڑھیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ "کچھ اور" بھی اردو کی ایک صنف بن جائے گی۔ اس سے کرشن چندر کی عظمت میں فرق نہیں آتا۔ ادب کی ہیئتیں بنتی، بگڑتی اور نئی شکلیں بدلتی رہتی ہیں اور بدلنے کا یہ سلسلہ شاید اس روز ختم ہو جائے گا، جب سورج کا چراغ بجھ جائے گا یا وہ بوڑھا ہو جائے گا۔ ادب کا کوئی فارم صحیفۂ آسمانی کے طور پر نازل ہو کر نہیں آیا۔ سچا فنکار حقیقت کو وقت کا نقار سمجھتا ہے۔ کرشن چندر نے ادب سے یہی کام لیا اور اس کو مرضی اور ضرورت کے مطابق ڈھالا۔

"ابھی لڑکی کالے بال" میں آپ کو روایتی اقتباس سے نئی تکنیک اپنی کہانی پرانی کہانی، محبت کی سچائی۔ کرشن چندر کی دنیا جیسے بہترین افسانے انھوں نے لکھے جو کسی بھی افسانہ نگار کو بڑا افسانہ نگار بنانے کے لیے کافی ہیں اور ساتھ ہی "رتی کی عورت"، "ذرا [illegible]" جیسے افسانے بھی لکھے جن میں [illegible] کا [illegible] بھی ہے اور طنز کی شدت بھی۔ کرشن چندر کا طنز تیز تر ہوتا ہے۔ بالکونی میں جس وقت ہوٹل کا منیجر بوڑھے عبداللہ کو حسب عادت گالیاں دیتا ہے اور یہاں عبداللہ کی لاش پڑی ہے تو کرشن چندر کچھ اس طرح لکھتا ہے، (مجھے صحیح الفاظ یاد نہیں ہیں۔ ۳۵ سال پہلے یہ افسانہ پڑھا تھا) "سنے عبداللہ بولتا کیوں نہیں — کیا مجھے مر کر بھی گالیوں کا جواب دینا نہیں آئے گا۔"

کرشن چندر کے نئے افسانوں میں طنز کے نشتر اور تیکھے ہو چکے ہیں۔ "نئی تخلیق" میں جب [illegible] مر جاتا ہے اور ایک دوست اس کے چار سالہ بچے کو نئی قمیص دیتا ہے تو ماں بچے سے کہتی ہے، "ہاں بیٹا! تیرے ابا مر گئے ہیں نا — تو یہ انھوں نے تیرے ابا کے دوست نے تیرے لیے قمیص بھجوائی ہے۔ انھیں سلام کرو بیٹا۔"

ننھا امجد — ابھی اس نے کسی کو خوشی سے سلام کرنا نہیں سیکھا ہے۔ ابھی اسے ٹھیک سے یہ بھی نہیں معلوم کہ مرنا کسے کہتے ہیں! — اپنی ماں کی بات سے اسے صرف اتنا پتہ چلا کہ اس کے ابا مر گئے ہیں۔ اسے نئی قمیص ملی ہے یہ جان کر وہ گہری سوچ میں پڑ گیا اور اس کے معصوم ماتھے پر سوچ کی گہری شکنیں نمودار ہوئیں اور اس نے اپنی نئی قمیص کے دامن میں اپنی انگلیاں پھنسا کر اپنی اماں سے پوچھا — "اماں! تو ابا اس سے پہلے کیوں نہ مر گئے۔"

کرشن چندر بڑا حساس فنکار ہے۔ وہ اچھے فنکاروں کی طرح اپنے کرداروں کے جسم میں حل ہو جاتا ہے، اور اب ان کا درد و کرب اس کا غم ہوتا ہے۔ بعض نقادوں کو کرشن چندر سے شکایت ہے کہ ان کے یہاں جذباتیت کیوں ہے۔ ان کے یہاں الفاظ افسانوں کی چوٹی تک پہنچ کر کیوں رو دیتے ہیں، ابلتے ہوئے آنسو [illegible] اور [illegible] ہیں۔ [illegible] کرشن چندر کے افسانوں کا ایک مختصر انتخاب کیا جانا چاہیے لیکن یہ کام کرشن چندر کے بس کا نہیں۔ یہ کسی ایک آدمی کے بس کا بھی نہیں [illegible] اور وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ دیکھیے کب پورا ہوتا ہے۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند دہلی، پرنٹر و پبلشر سید فضل حسین نے جمال پرنٹنگ پریس دہلی میں چھپایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند [illegible] کلاں محل [illegible] سے شائع کیا۔